

## علوم اسلامی کی تجدید اور شاہ ولی اللہ

اسلام خالق کائنات کی طرف سے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ کائنات اور زمانہ ترقی پذیر ہے۔ اس کے تقاضے اور ضروریات ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔ نئے نئے تقاضے اور پہلو سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس لیے قرآن و سنت میں اتنی گہرائی، وسعت اور ہمہ گیری قدرت نے پنہاں کر دی کہ قیامت تک ہر ہر زمانہ و مکان کی انسانی ضروریات کے لیے کافی ہوں، مگر قرآن و سنت کی گہرائی میں غواصی کر کے وقت کے تقاضوں میں ان سے رہبری حاصل کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر صدی میں ایسے اشخاص رونما ہوتے رہے ہیں جو دین کو ہر طرح کی آمیزش، تحریف اور غلط تاویلات سے نکھار کر اسے اپنی اصل شکل و صورت میں لے آتے ہیں جیسے کسی بیش قیمت ہیرے پر سے گرد و غبار کو صاف کر دیا جائے تو وہ اصل حالت میں چمکنے دکھنے لگتا ہے اور مرد زمانہ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ان میں سے بعض شخصیات ایسی جامعیت و عبقریت لیے ہوتی ہیں کہ ان کی فکری اور دماغی قوت و بصیرت اپنے دور سے بہت بعد تک کے حالات کا احاطہ کر لیتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ وقت آ جاتا ہے تو ان کے علوم و افکار اور نتائج اجتہاد نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے علوم و افکار سے اگرچہ محدود طور پر ہر زمانے میں اہل علم واقف تھے، مگر ان کی وفات کے تقریباً ۶۰۰ سال بعد سعودی عرب میں آل سعود کی حکومت قائم ہوئی جس نے حنبلی فقہ و مسلک کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ امام ابن تیمیہ کے اجتہادات کا وکیل اور ترجمان بن کر اپنے وسیع وسائل سے امام موصوف کی تمام کتب آب و تاب سے شائع کر کے دنیا بھر میں پھیلا دیں۔ اسی طرح امام ولی اللہ بلوچی (۲۱ فروری ۱۷۰۳ء - ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء) کے افکار و نظریات ایک طویل زمانے تک زاویہ غمول میں رہے اور ان سے بس خاص خاص اہل علم ہی واقف تھے۔

امام ولی اللہ بلوچی کے متعلق مولانا شبلی نعمانی علم الکلام پر اپنی مایہ ناز تصنیف میں لکھتے ہیں:

”ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلمندی متزل پیدا ہوا تھا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ

\* رفیق شعبہ تصنیف و تالیف، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ

اخیر زمانے میں جبکہ اسلام کا نفس باز نہیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔“ (۱)

آپ کی پہلی کتاب آپ کی وفات سے تقریباً ۱۲۰ سال بعد ۱۸۸۰ء میں محدود تعداد میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں مصر کے مشہور مطبع بولاق نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ شائع کی جس سے امام ولی اللہ دہلوی کا چرچا برصغیر سے نکل کر عرب دنیا میں شروع ہوا۔ بیسویں صدی کے آخر تک آپ کی بیشتر کتب برصغیر کے مختلف اداروں سے شائع ہو کر گھر گھر پہنچ چکی تھیں۔ جگہ جگہ آپ کے نام پر ادارے، اکیڈمیاں اور لیسرچ سنٹر قائم ہوئے۔ آپ کے نام پر ایوارڈز کا سلسلہ شروع ہوا۔ برصغیر اور دنیا بھر کی یونیورسٹیوں نے آپ کے نام پر چیئرز اور تحقیقی شعبے قائم کیے۔ آپ کی فکر اور علوم پر وسیع کام شروع ہوا، حتیٰ کہ امریکہ کی ایک نو مسلم اسکالر ڈاکٹر مارسیا کے ہرمینسن (Marcia K. Hermansen) نے آپ کی فکر پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی حیات طیبہ سے قدر مشترک تین پہلو نمایاں ہوتے نظر آتے ہیں:

(۱) دینی علوم کو اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن و حدیث سے منسلک کرنا۔

(۲) نصوص شرعیہ سے استنباط و استخراج کے ذریعے احکام شرعیہ سے آگاہی اور معرفت کی راہ ہموار کرنا اور امت مسلمہ میں اجتہادی فکری بیداری پیدا کر کے اجتماعیت پر کھڑا کرنا۔

(۳) نصوص شرعیہ کے ذریعے فقہی احکام و مسائل میں جمع و تطبیق کی راہ ہموار کی جائے اور حتیٰ الوسع مذاہب مشہورہ میں جمع و تطبیق پیدا کی جائے اور اختلاف کی وجہ سے جمع ممکن نہ ہو تو اس مذہب کو اختیار کیا جائے جو از روئے حدیث زیادہ قوی اور قریب ہو۔ (۲)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی سب سے نمایاں خصوصیت جامعیت و تطبیق ہے۔ شیخ محمد اکرام کے بقول: ”وہ اختلافی مسائل میں ایسا راستہ ڈھونڈتے ہیں اور اپنی علمی وسعت اور ذہانت کی مدد سے اکثر ایسا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس پر فریقین متفق ہو سکیں۔“ (۳) شاہ صاحب خود اپنا منسلک یوں بیان کرتے ہیں کہ:

”بقدر امکان جمع می کنم در مذاہب مشہورہ مثلاً: صوم و صلوة و وضوء و غسل و حج بوضعی واقع می شود کہ ہمہ اہل مذاہب صحیح دانند و عند تعذر الجمع باقوی مذاہب از روئے دلیل موافقت صریح حدیث عمل می نمایم۔“ (۴)

اس کی مزید توضیح آپ کے درج ذیل قول سے نمایاں ہوتی ہے:

”اس وقت جو امر حق ملا علی کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ (فقہ حنفی و فقہ شافعی) دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیث نبوی کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ جو کچھ ان کے موافق ہو، اس کو رکھا جائے اور جس کی کچھ اصل نہ ہو، اس کو ساقط کر دیا جائے۔ پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں، اگر وہ دونوں میں متفق علیہ ہوں تو مسئلہ میں دونوں قول تسلیم کیے جائیں۔“ (۵)

جہاں تک کہ اول الذکر مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت شاہ صاحب سے قبل برصغیر پاک و ہند میں علماء کرام کا دستور یہ تھا

کہ پہلے تو قرآن حکیم کو محض تلاوت کی خاطر پڑھا دیتے اور پھر اگر انہی طلبہ کو قرآن کے مطالب و معانی کی تعلیم دینا مقصود ہوتا تو جس فن سے خود انہیں دلچسپی اور لگن ہوتی، اس فن کے نقطہ نظر سے قرآن مجید کی جو تفسیر و تشریح وہ مناسب جانتے، انہیں پڑھا دیتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کے نزدیک قرآن شریف صرف اسی فن کی ایک اعلیٰ کتاب بن جاتی اور اس سلسلے میں جو خیالات اور تصورات استاد کے ذہن میں پہلے سے موجود ہوتے، تفسیر پڑھنے سے وہی باتیں طلبہ کے ذہنوں میں نقش ہو جاتیں بلکہ وہ اور راسخ ہو جاتیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اس رجحان سے ہٹ کر متن قرآن کو شروع تا آخر بڑی تحقیق اور بصیرت کے ساتھ پڑھا دیتے جس سے طلبہ کی قرآن کے جملہ مطالب اور معانی تک براہ راست رسائی اور پیغام قرآن سے مجموعی طور پر آشنائی ہو جاتی، بجائے اس کے کہ متن قرآن محض تلاوت کی غرض سے پڑھا جائے یا کسی خاص فن کی تحصیل کے لیے قرآن کے مطالب تفسیر کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ حضرت شاہ صاحب اپنی جستجو اور کاوش میں کافی حد تک کامیاب رہے اور برصغیر پاک و ہند میں قرآن وحدیث کا سلسلہ تدریس و تصنیف کی صورتوں میں جاری رکھا جو وسیع تر ہوتا گیا اور اپنی نوعیت کی ایک مثال بن کر منظر عام پر آیا۔ مزید برآں حضرت شاہ صاحب کے زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کی رسمی زبان فارسی تھی۔ چنانچہ آپ نے قرآن کریم کے متن کا ہندوستانی مسلمانوں کے لیے قابل فہم بنانے کی خاطر ”فتح الرحمن“ کے نام سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے مطالب کو اس شکل میں پیش کرنے پر صرف اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنے صحبت یافتہ لوگوں میں سے اس طریقے پر سوچنے والی ایک جماعت بھی پیدا کر دی۔

علم حدیث کے مطالعہ اور اس کی تحقیق کے ضمن میں عام طور پر اہل علم میں جو ناہمواریاں اور خرابیاں پیدا ہو گئی تھی، ان کو دور کرنے کے لیے بھی شاہ صاحب نے بہت کام کیا۔ حدیث شریف میں اس طرح سے تحقیق کا سلسلہ ہم کرنے کا میلان مسلمانوں میں مدتوں سے ناپید تھا اور خاص طور پر تیسری صدی ہجری کے بعد تو اس کی مثال کہیں مشکل سے ملتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے محققین محدثین پیدا کر کے سلف کے طریقے کو زندہ کر دیا۔

یہ بات بھی بعید از فہم نہیں کہ لوگوں میں حدیث شریف کے معاملے میں زیادہ تر ذہنی اختلال اس وجہ سے ہوا کہ فن حدیث میں محض تقلید سے کام لیا جاتا اور خاص طور پر کسی حدیث کی صحت جانچنے کے لیے تو تمام تر دوسروں کی رائے پر ہی اکتفا کیا جاتا۔ حضرت شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ یہ کام مشکل ہو گیا ہے، کیوں کہ ایک تو راویوں کے طویل سلسلے کو پرکھنا اور جانچنا ہوتا ہے، اس میں مزید الجھن یہ پڑتی ہے کہ ان رواۃ کے متعلق ”اسماء الرجال“ والوں کی آرا ایک سی نہیں۔ کسی راوی کو اسماء الرجال کا ایک نقاد ضعیف قرار دیتا ہے، لیکن دوسرا اس کی ثقاہت کا دعوے دار ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ صحیح حدیث کی تعریف میں کئی آراء ہیں۔ یہ دشواریاں ہیں جو علم حدیث کے متعلق طلبہ میں کوئی ملکہ پیدا نہیں ہونے دیتیں۔ نتیجتاً طلبہ مجبوراً حدیث شریف کو چھوڑ کر فقہ پڑھتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے بڑی جانکاہی سے اس مرض کی تشخیص کی اور پھر اس کے ازالہ کے لیے نصاب تیار کیا اور کے مطابق تعلیم دینا بھی شروع کر دی۔

احادیث کی تدریس میں امام ولی اللہ دہلوی کا طریقہ جو آپ نے موطا امام مالک کی عربی و فارسی شروح ’المسویٰ‘

اور اقصیٰ، میں اختیار فرمایا تھا، جاری رہتا تو بڑی حد تک فقہی اختلافات کی شدت اٹھاریں اور انیسویں صدی عیسوی ہی میں ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ کے عوام الناس کے لیے دین پر چلنے کی ایک منفقہ شاہراہ سامنے ہوتی۔ مگر بد قسمتی سے حضرت شاہ ولی اللہ کے فوراً بعد ہندوستان کا علمی مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو گیا جہاں غالی اہل تشیع کی حکومت نے قرآن و حدیث کے درس کو ختم کرنے اور معقولات کی ترویج کی ہر امکانی کوشش کی۔ خود دہلی میں ابوالمصور صفدر جنگ نے مغلیہ سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کر کے یہی کچھ کیا۔

جہاں تک کہ مختلف فقہی مذاہب اور ان کے پیروکاروں کے جمود کا تعلق ہے تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ لوگوں کے مختلف اقوال کو سخت و مدد کے ساتھ بیان کرنا، ایک مخصوص شخص کے مذہب پر فتویٰ صادر کرنا، اس کے قول کو اختیار کر کے اسی کے مذہب و مسلک پر اعتماد کرنا پہلی اور دوسری صدی ہجری کے مسلمانوں کا دستور یا وطیرہ نہ تھا۔ (۶) پھر فرماتے ہیں کہ یہی صورت ایک زمانہ میں اہل ایمان کو پیش آئی کہ مخصوص مسلک کے پیروکار ہونے کی وجہ سے باہمی منازعت شدت اختیار گئی اور لوگوں کے دلوں سے قرآن و حدیث کے صحیح فہم و ادراک کی امانت رخصت ہوئی اور وہ تقلید میں پڑ کر دین کے معاملے میں غور و فکر سے بیگانہ ہو گئے۔ اب ان کے لیے یہ امر ہی باعث تسکین تھا کہ یہی سب ہمارے آباؤ اجداد بھی کیا کرتے تھے اور ہم انہیں کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ (۷)

شاہ صاحب نے تقلید جاد کی مخالفت اور شدید مذمت کی اور تقلید کے ضمن میں ارباب فقہ کے غلو کو توڑنے کی کوشش فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس وقت عالم اسلام کے ہر علاقے میں لوگ متقدمین کے فقہی مذاہب میں سے کسی ایک خاص مذہب کی پابندی کرتے ہیں اور اس سے خروج کو، چاہے وہ کسی ایک آدھ مسئلے میں ہی ہو، ملت سے نکل جانے کے مترادف سمجھتے ہیں، یوں جیسے اس مذہب کا امام کوئی نبی مبعوث ہو جس کی طاعت ان پر فرض کی گئی ہو۔ (۸) چنانچہ آپ نے لوگوں میں تقلید کے جمود کو توڑنے کے لیے اور نصوص شرعیہ میں اجتہاد کی ضرورت کے پیش نظر آپ نے حدیث کے مطالعے اور اس کی تحقیق پر کافی زور دیا ہے۔ آپ نے تعصب کو بھولے سے بھی پاس نہ پھینکنے دیا اور تفریح و الفروعات اور تخریج المخراجات میں عدل و انصاف کے دامن کو ہاتھ سے کبھی نہ جانے دیا۔ (۹)

حضرت شاہ صاحب نے مروجہ تقلید پر شدید تنقیدیں بھی کی ہیں کہ لوگوں میں علمی شعور و مناسبت کم ہو گئی ہے۔ وہ قرآن و حدیث کے مقابلے میں عام اور غیر معصوم بشری آراء و اقوال کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ ”چونکہ یہ قول ہمارے امام، مقتدا اور پیشوا کا ہے، لہذا یہ درست اور حرف آخر ہے“۔ اس صورت حال پر حضرت شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں سخت رد عمل ظاہر کیا (۱۰) بلکہ جب لوگوں میں یہ شدت مزید بڑھتی دیکھی تو اسے دینِ قیم میں تحریف کے اسباب میں شمار کیا، کیوں کہ لوگ دین حنیف کی اصل صورت سے اتنے بیگانہ اور دور گئے ہیں کہ غیر معصوم افراد کے ذہنی تخیلات اور تصورات کو اہمیت دیتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں اور حقیقی اسلامی ماخذ کو ترک کر دیتے ہیں۔ (۱۱)

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ میں یہ ذوق اور جذبہ جاگ کر کرنا چاہیے کہ نصوص شرعیہ سے منفقہ طرق کے ذریعے راہنمائی حاصل کی جائے اور اس لحاظ سے صحابہ کرام کو ایک مضبوط اتھارٹی سمجھا جائے۔ ہاں، اگر ان میں بھی

اختلاف رائے نظر آئے تو پھر اصل نصوص شرعیہ کی طرف رجوع کرنے میں ہی بہتری ہے۔ فرماتے ہیں:  
 ”چون صحابہ مختلف شوندمآخذ اقوال ایشان از کتاب وسنت ظاہر شود تا مل در آن مأخذ باید کرد و از ان جهت  
 باب ترجیح باید کشاد“ (۱۲)

”جب کسی مسئلے میں صحابہ کرامؓ کا آپس میں اختلاف ہو، نیز ان کے اقوال کے مأخذ قرآن وسنت سے ظاہر ہو جائیں تو اس صورت میں مأخذ ہی پر غور و فکر کیا جائے۔ اس سے کسی چیز کو راجح اور وزنی قرار دینے کا راستہ کھلے گا۔“  
 شاہ صاحب نے دیکھا کہ نصوص شرعیہ سے امت مسلمہ بے بہرہ ہو کر رہ گئی ہے جو کہ ایک خطرناک اور گھمبیر صورت حال ہے۔ لوگ اسلام کے بنیادی مأخذ سے دور ہو چکے ہیں اور ان کے رہنما و پیشوا اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے کی بجائے گمراہی و ضلالت کی طرف لیے گا مزن ہیں۔ اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ اجتہاد سے عدم التفات ہے۔ ان دنوں برصغیر میں وعاظ اور مبلغین کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی تقاریر میں بے محابہ موضوع اور محرف احادیث بیان کرتے تھے جس سے سادہ لوح، ضعیف اور رکیک القلب افراد دین اسلام سے اچھی طرح واقف نہ رہے تھے۔ (۱۳)

حضرت شاہ صاحبؒ کے دور کا آج کے دور کے ساتھ تقابل کیا جائے تو بآسانی کہا جاسکتا ہے جو چیزیں حضرت شاہ صاحبؒ نے تجویز فرمائی تھی، بجا طور پر درست تھیں۔ خصوصاً عصر حاضر میں اختلافات کی شدت کم کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ زمین کی طنائیں کھینچ دی گئی ہیں اور پوری دنیا ایک ہستی (گلوبل ویلج) بن چکی ہے اور پوری دنیا پراہل شر و فساد اور معاندین اسلام کا پوری طرح تسلط قائم ہو چکا ہے۔ ان احوال میں فروعی اختلافات اور مسلک و ذوق کے اختلافات میں فکر و ولی الہی کے مطابق اعتدال و توازن اور وسعت ظرفی کے ساتھ تطبیق کی اشد ضرورت ہے۔ یہ اس دور کا اہم تقاضا ہے کہ فروعی اختلافات میں شدت کو ختم کر کے دین کو ایک متنقذ لائحہ عمل کے طور پر سامنے لایا جائے۔

### حوالہ جات

- ۱۔ شبلی نعمانی: علم الکلام والکلام، (نفس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، ۱۹۷۹ء) ص ۸۷
- ۲۔ شاہ ولی اللہ: انصاف فی بیان سبب الاختلاف، (محلہ اوقاف، لاہور، ۱۹۷۱ء) ص ۷۰
- ۳۔ شیخ محمد اکرام: رود کوثر، (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء) ص ۵۳۶
- ۴۔ رحیم بخش: حیات ولی، (مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۱۹۵۵ء) ص ۲۹۶
- ۵۔ شیخ محمد اکرام: رود کوثر، ص ۵۸۲
- ۶۔ شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۴۱
- ۷۔ المرجع السابق، ص ۶۶
- ۸۔ شاہ ولی اللہ: تہذیبات الہیہ، (مدینہ برقی پریس، بجنور) ۲۰۰۹/۱ ص ۲۱۰
- ۹۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، (المکتبۃ السلفیہ، لاہور، سن ندارد) ص ۱۰۱
- ۱۰۔ شاہ ولی اللہ: عقدا الجید فی احکام الاجتہاد و التقليد، (مطبع مجتہائی، دہلی، سن ندارد) ص ۷۲
- ۱۱۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۲۱
- ۱۲۔ شاہ ولی اللہ: البصفتی فی احادیث موطا، (مکتبہ رحیمیہ، دہلی، سن ندارد) ص ۲۷
- ۱۳۔ شاہ ولی اللہ: تہذیبات الہیہ، ص ۱۵۱